سلسلہ اشاعت ۴

ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

وعظ

از: مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

اس لطیف و دلچسپ وعظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور ان کی اہمیت کو نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

پیشکش:

مجلس صیانۃ المسلمین فیصل آباد

اے/۶۱۱۔ پیپلز کالونی ۲ فیصل آباد فون: ۴۳۶۱۵

ذکرِ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضورؐ کے حقوق کے متعلق یہ وعظ بروز جمعہ ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ کو جامع مسجد کانپور میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سوا ۲ گھنٹہ میں ختم ہوا۔ حاضری ۵۰۰ کی تھی۔ حکیم محمد یوسف صاحب بجنوری نے قلمبند کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ حقیقت ہے کہ جینا وہی جینا ہوگا
جب مرے پیشِ نظر حُسنِ مدینہ ہوگا

شوقِ دل راہنما بن کے چلے گا آگے
جب رواں سُوئے حرم اپنا سفینہ ہوگا

آنکھ جب روضۂ اقدس کی جھلک دیکھے گی
یا خُدا کیسا مُبارک وہ مہینہ ہوگا

میری آنکھوں میں سمٹ آئے گا حُسنِ کونین
جس طرف آنکھ اُٹھاؤں گا مدینہ ہوگا

جب نگاہیں درِ احمد کی بلائیں لیں گی
صرف آنکھیں ہی نہیں قلب بھی بینا ہوگا

حاضری ہوگی بصد شوق مواجہ کی طرف
دل حضوری میں سعادت کا خزینہ ہوگا

نغمۂ صلِّ علیٰ ہوگا لبوں پر جاری
اور ماتھے پہ ندامت کا پسینہ ہوگا

چُومتا نقشِ قدم اُن کے پھروں گا ہر سُو
کیسا پُرکیف یہ جینے کا قرینہ ہوگا

بابِ جبریل سے گزروں گا دُعائیں پڑھتا
ذوق اور شوق سے معمور یہ سینہ ہوگا

اُن کی جب چشمِ کرم ہوگی دلِ کیفی پر
دل نہیں، پھر تو یہ انمول نگینہ ہوگا

۱۵ مئی سنہ ۸۳ء

خطبہ ماثورہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ
ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من
یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد
ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمدا عبدہ
ورسولہ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْ
عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا
یُّدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا
قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا

ادائے حق

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس کی تلاوت پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ اس وقت اس جزو آیت ہی کا صرف بیان مقصود ہے۔ حق تعالیٰ نے اس آیت کے جزو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے حقوق اور برکات بیان فرمائے ہیں۔ وجہ اس بیان کے اختیار کرنے کی اس وقت یہ ہے کہ بعض محبین کی عادت ہے کہ وہ اس زمانہ میں تذکرہ کیا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے مگر اس کے ساتھ جو ان کو غلطی واقع ہوئی ہے اس کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ اس آیت میں غور کرنے سے اور نیز دوسری نصوص میں غور و فکر کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا واجب ہے اور ادائے حق کے معنی یہ ہیں کہ تمام حقوق ادا کئے جاویں یہ نہیں کہ ایک کیا اور ایک نہ کیا اس سے ادائے حق نہیں ہوتا۔ علم کی کمی سے مختلف قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ بعض ایک حق

کو اور بعض دوسرے کو اور بعض تیسرے حق کو ادا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے ادائے حق کر دیا۔ حالانکہ ادائے حق کے معنی یہ ہیں کہ تمام حقوق کی رعایت کی جائے۔

مثلاً باپ کا حق یہ ہے کہ اُس کا ادب بھی کرے، اطاعت بھی کرے، اُس کے لئے دُعا بھی کرے، اُس کی تعظیم بھی کرے۔ اگر اُس کو حاجت ہو خدمت بھی کرے اور مثلاً بادشاہ کا حق یہ ہے کہ اُس کا ادب کرے، اُس کے احکام کو مانے، اُس کی عظمت دل میں ہو، اُس کی اطاعت کرے۔ اب اگر کوئی اُس کی تعظیم نہ کرے یا احکام کو نہ مانے تو اُس نے بادشاہ کا حق ادا نہیں کیا۔

مثلاً جب گفتگو کرتا ہے تو نہایت خلاف یا تعظیم و تکریم تو اس قدر کرتا ہے کہ پچھلے پاؤں ہٹتا جاتا ہے مگر قانون کے خلاف کرتا ہے قانون کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ ہاں زبان سے بادشاہ کی مدح و ثنا خوب ہی کرتا ہے اور اُس کے متعلق مختلف مجلسوں میں خوب تقریریں کرتا ہے اور اگر کوئی کہتا ہے تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ جو میں کر رہا ہوں میرے نزدیک ادائے حق یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس عذر کو قبول نہیں کرے گا بلکہ سب سے بڑا حق تو سلطان کا رعایا پر یہی ہے کہ اُس کی مخالفت نہ کی جائے غرض یہ تو ادائے حقوق کی حقیقت ہے۔

اب سمجھئے کہ حقوق میں تفاوت ہوتا ہے۔ باپ کا اور حق ہے، ماں کا اور، بی بی کا اور، بیٹے کا اور، بہن کا اور، رسولؐ کا اور، خدا کا اور۔ یہ قاعدہ

سب میں مشترک ہے کہ ادائے حق اسی کو کہیں گے جو سب حقوق ادا کیے جائیں۔ مثلاً باپ کا حق یہ تھا کہ اُس کی تعظیم بجا لانا، اطاعت کرنا، اُس کی خدمت کرنا، اُس کی مدح کرنا، دعا کرنا، ادب سے گفتگو کرنا۔ مگر بیٹے کی حالت یہ ہے کہ نہ اُس کی تعظیم بجا لاتا ہے، نہ اطاعت کرتا ہے نہ دعا مگر ہاں مجمعوں میں باپ کی مدح و ثنا خوب کرتا ہے تو کیا اس کو کہا جاوے گا کہ وہ باپ کا حق ادا کرتا ہے۔ اگر باپ کہتا ہے کہ بیٹا اٹھ کر پانی دے دو تو یوں جواب دیتا ہے کہ میں نے آپ کی بہت سی تعریفیں کر دی ہیں اب مجھے ضرورت اطاعت کی نہیں رہی میں خدمت نہ کروں گا۔ یہ کہاں کی علت نکالی ہے کہ میں یہ باتیں بھی کروں۔ ظاہر ہے کہ کوئی عاقل اس کو ادائے حق نہ کہے گا۔ علیٰ ہذا اور حقوق کے بارے میں بھی ایسا ہی کہہ دے۔

ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ بعض حق ادا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق ہیں تو ان کا ادا کرنے والا وہی شخص سمجھا جاوے گا جو سب حقوق ادا کرے اور کسی شخص کے اس طرز کو کافی نہ سمجھا جائے گا کہ ایک حق کو تو ادا کرے اور باقی کو چھوڑ دے۔ جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق پہچانے جائیں۔

حقوق الرسولؐ

اس باب میں اس وقت تین جماعتیں ہیں۔ کثرت سے وہ لوگ ہیں کہ اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی فضائل بیان کرنے

کو کافی سمجھتے ہیں۔ نہ اطاعت سے بحث ہے نہ اُن کے دل میں حقیقی محبت ہے نہ تعظیم ہے۔ تین حقوق تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حق اطاعت ایک حق محبت، ایک حق عظمت۔ سو زیادہ حصہ تو اُن لوگوں کا ہے، جو صرف زبانی محبت پر اکتفا کرنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی خبر نہ حقیقی محبت کی خبر نہ عظمت کی۔ بس اس کو کافی سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کر دیا جاوے۔ باقی جتنا اہتمام ذکر کا ہوتا ہے اطاعت کا نہیں ہوتا۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اطاعت کرتے تو علماء سے رجوع کرتے۔ اُن سے مسائل دین کے پوچھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا طریقہ دریافت کرتے اُن سے احکام کی تحقیق کرتے مگر دیکھا جاتا ہے کہ اس کا ذکر بھی نہیں۔ سو زیادہ لوگ تو اسی قسم کے ہیں، اس واسطے ضرورت اس کی ہوئی کہ اس غلطی کو رفع کر دیا جاوے۔

محبت بے شک بڑا حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس کا مقتضا یہ بھی ہے کہ اطاعت کی جائے۔ اسی کا مقتضا یہ ہے کہ تعظیم کی جائے۔ چنانچہ دنیا میں جس سے محبت و خلوص ہوتا ہے اُس کا کہنا مانا جاتا ہے اُس کی عظمت قلب میں ہوتی ہے۔ خود اس کی محبت کا تقاضا ہے کہ اُس کی مرضی کے خلاف نہ کیا جائے خواہ اُس کو خبر ہو یا نہ ہو۔

مجھے خوب یاد ہے کہ مجھ کو ایک ادنیٰ اچکن میں رفو کرانے کی ضرورت تھی۔ ایک دوست سے میں نے کہا کہ کسی کاریگر سے رفو کرا دو اور اجرت

پوچھ کر بتلا دو۔ چنانچہ انہوں نے رفو کرانے کے لئے وہ اچکن کاریگر کو دے دی۔ جب رفو ہو کر آ گیا تو میں نے اجرت پوچھی تو کہا کہ اجرت اس نے بتلائی نہیں۔ پھر میں نے تقاضا کیا تو کہا کہ وہ بتلاتا نہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ پوچھ کر آئیے مگر ٹالتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے پاس سے اجرت دے دی تھی اور ظاہر تک نہیں کیا۔ محبت سے تو غرض یہ ہوتی ہے کہ دل ٹھنڈا ہو محبوب کا۔ اسے راحت ہو، اس لئے خبر ہونے کی ضرورت بھی نہیں اور جہاں خبر بھی ہوتی ہو تو وہاں تو زیادہ اثر ہوگا، زیادہ اہتمام ہوگا اور جب یہ معلوم ہو کہ اس طرح اس کو خبر ہوتی ہے کہ خلاف کرنے میں ایذا بھی ہوتی ہے تب زیادہ اہتمام ہوگا اور یہ محبت کیسی ہے کہ اپنے محبوب کو تکلیف پہنچائی جائے۔

اب سمجھئے کہ سب سنا ہے۔ سنتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعمال امت کے پیش ہوتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ کیا اور فلاں نے یہ کیا۔ کوئی شراب پیتا ہو، رشوت لیتا ہو، فسق و فجور میں مبتلا ہو سب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی جاتی ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی محبت تھی امت سے۔ یہ حالت تھی کہ رات رات بھر کھڑے کھڑے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے صرف امت کے لئے دعا کرنے میں۔ ایک بار ساری رات گذر گئی اسی آیت کی تلاوت میں۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

یعنی آپ زبردست قادر ہیں کیا مشکل ہے آپ کو بخشنا۔ ساری رات اسی میں گزر گئی۔ ہمارا وجود بھی کہیں نہ تھا اور آپ کی یہ حالت تھی مولانا فرماتے ہیں ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود لطفِ تو ناگفتۂ ما می شنود

نہ ہم تھے نہ ہماری طرف سے تقاضا تھا مگر بے کہے ہوئے درخواست پیش بھی ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام بھی شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کیا نفع۔ ہم کیا پیش کر رہے ہیں کیا فیض تھا ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور ہم کو حضورؐ سے ہزاروں قسم کا نفع پہنچتا ہے۔

مقبولیت درود شریف

اگر کہو کہ ہم درود شریف پڑھتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ حضورؐ والا کو اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا آپ لوگوں کو پہنچتا ہے ہمیں ارشاد ہے حق تعالیٰ کا کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اگر آپ اپنے نوکر سے کہیں کہ یہ ہزار روپیہ ہیں ہم سے کہو کہ ہم اپنے بیٹے کو دے دیں۔ تو اس نوکر کے مقبول بنانے کو اور اس کی عزت بڑھانے

لہ یہ ترجمہ صرف انت العزیز الحکیم کا ہے۔ اس کی تقریر اس لئے کر دی کہ بعض نا دان اس کا انضباط: ان تغفر لھم کیساتھ نہیں سمجھتے ۱۲ منہ

کو یہ صورت تجویز کی ہے نہ کہ بیٹا روپے ملنے میں اُس نوکر کا محتاج ہے اگر نوکر نہ بھی کہے تب بھی روپیہ بیٹے کے لئے تجویز کر لیا گیا ہے۔ صرف نوکر کی عزت افزائی کے لئے ایسا کیا ہے۔ یہی حال درود شریف کا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ رحمت کی دعا کرو رسولؐ کے لئے۔ رحمت بھیجنا تو منظور ہی ہے (خواہ ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں) چنانچہ اس کے قبل

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

موجود ہے مگر ہماری قدر بڑھانے کو ہمیں کہہ دیا کہ درود بھیجو کہ تمہارا بھی بھلا ہو جائے گا۔ کوئی شخص کیا منہ لے کر کہہ سکتا ہے کہ آپ ہمارے محتاج ہیں اور اس کہنے سے آپ پر رحمت ہو گی۔ یہ شبہ شاید کسی خشک مزاج کو ہوتا اس لئے رفع کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ حق تعالیٰ کا ہے وہ ہماری درخواست پر موقوف نہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ اور عبادات بعض دفعہ مقبول ہوتی ہیں اور بعض دفعہ مردود لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہوتا ہے۔ سو اگر ہمارے عمل کا آپ پر رحمت نازل ہونے میں کوئی اثر ہوتا تو جیسے اور اعمال ہیں یہ بھی ہمارا عمل ایسا ہی ہونا چاہیے تھا (کبھی مقبول اور کبھی مردود) سو ہمیشہ مقبول ہونا دلیل ہے اس کی کہ معلوم ہوا کہ ہمارے عمل کا اس میں کوئی اثر نہیں حق تعالیٰ ضرور رحمت بھیجتے ہی ہیں ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں اس لئے درود شریف کبھی غیر مقبول نہیں ہوتا بس خدا تعالیٰ کو رحمت بھیجنا تو ہے ہی ہم کو جو حکم دیا تو صرف

ہماری عزت بڑھانے کے لیے۔

نیز ہمارے اعمال ظاہر ہے کہ مقبول ہونے کے قابل ہیں نہیں اور جو عمل مقبول نہ ہو وہ کالعدم ہے۔ پھر ہمارا درود پڑھنا کالعدم ہوا۔ مگر پھر بھی آپ پر رحمت ہوتی ہے۔ کوئی شخص یہ احسان نہ سمجھے کہ میں درود بھیجتا ہوں تب ہی رحمت ہوتی ہے۔ اگر ہم آفتاب کے سامنے ہو گئے تو آفتاب نے ہم کو منور کر دیا۔ آفتاب ہمارا محتاج شعاع میں نہیں پس علماء کے قول سے بھی اس کی تائید ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نفع کے محتاج نہیں۔

البتہ اس مقام پر ایک شبہ اور ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دین کی تعلیم کی ہے اور ہمارے عمل کرنے سے آپ کو بھی ثواب پہنچتا ہے۔ تو اگر ہم عمل نہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ثواب کیسے ملے گا؟ پھر ہمارے عمل کو اس میں دخل ہوا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس نیت سے تعلیم فرمائی کہ امتی عمل کریں اور نیت پر اجر مل جاتا ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نیت فرمائی تو آپ ہر حال میں ماجور ہو گئے

حق محبت اب ہمارے عمل کرنے کا اثر اتنا رہا کہ عمل کرنے سے آپ کا جی خوش ہوتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں امتی نے یہ عمل کیا تو آپ خوش ہوتے ہیں۔ بھر بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کوئی نفع نہیں مگر پھر بھی آپ کو ہم سے کتنی محبت

اور ہماری یہ کیفیت کہ زبانی دعویٰ محبت کا بہت اور نیز بعض میں کسی قدر زبانی سوز و گداز بھی ہے۔ چنانچہ جب اس قسم کی مجالس میں شعر اشعار پڑھے جاتے ہیں تو ہائے ہو بہت کرتے ہیں مگر اس کی پروا نہیں کہ جس سے محبت کا دعوےٰ ہے اعمالِ ناشائستہ کا ارتکاب کر کے اُن ہی کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ تو صاحب ایسے سوز و گداز سے کیا نتیجہ!

مجھے اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک شاعر آزاد منش تھے بعض کا دل رقیق ہوتا ہے۔ وہ بھی ایسے ہی تھے اس لئے اُن کے کلام میں سوز و گداز تھا۔ ایک شخص اُن کا فارسی کلام دیکھ کر کلام سے اُن کو صوفی سمجھ کر ایران سے چلے۔ آکر کیا دیکھا کہ ایک حجام خلیفہ اُن کے سامنے ہے اور اُن کا چہرہ استرہ سے صاف کر رہا ہے۔ اس شخص نے جھلا کر کہا کہ آغا ریش می تراشی؟ شاعر صاحب نے کہا کہ بلے ریش می تراشم مگر دل کسے نمی خراشم یعنی داڑھی تو منڈواتا ہوں مگر کسی کا دل نہیں دکھاتا کیونکہ بڑا گناہ دل دکھانا ہے۔ اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ آرے دلِ رسول اللہ می خراشی! مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ہو گی کہ فلاں شخص سنت کے خلاف کر رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی ایذا ہو گی۔ یہ سن کر شاعر کی آنکھیں کھل گئیں اور زبانِ حال سے یہ شعر پڑھتے تھے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

یعنی تم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، میں تو اندھا تھا آج معلوم

ہوا کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ غرض یہ محبت کیسی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔

یہ تقریر تو اس پر مبنی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق ہیں۔ عظمت، اطاعت، محبت۔ لیکن اگر کوئی شخص تینوں حق کو جدا جدا نہ سمجھے بلکہ صرف ایک محبت ہی کو حق سمجھے تو میں کہتا ہوں کہ خود محبت ہی ایک ایسا حق ہے کہ اور حقوق کو مستلزم ہے یعنی محبت مستلزم ہے عظمت کو بھی اطاعت کو بھی یعنی جب سچی محبت ہو گی تو عظمت بھی ہو گی، اطاعت بھی ہو گی۔ مگر لوگوں نے صرف یہ یاد کر لیا ہے کہ ہم عاشق ہیں رسولؐ کے۔ بس اپنے زعم میں اور کسی بات کے مکلف ہی نہیں رہے بلکہ اگر سچ مچ بھی سوز و گداز ہو اور اس سے چیخنا چلانا، رقت کا طاری ہونا یہ آثار پیدا ہوتے ہوں، لوگو ظاہر نظر میں یہ کمال معلوم ہوتا ہے مگر محققین کے نزدیک خود یہ ضعیف محبت ہے اور ضعیف اس وجہ سے کہ محل محبت کا ہے قلب اور یہ علامتیں ہیں ضعف قلب کی۔ تو جب قلب ہی ضعیف ہے تو جو اس کی صفت ہو گی وہ بھی ضعیف ہو گی۔ اس کو محبت کامل نہیں کہیں گے۔ محبت کامل وہ ہے کہ رگ رگ عشق سے چور ہو مگر پھر بد حواس نہ ہو۔

سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ سے کیسی محبت تھی، صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی محبت تھی۔ کسی صحابیؓ کا قصہ ایسا بتاؤ کہ محبت میں بد حواس ہو گئے ہوں۔ سب میں زیادہ

چاہنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی یہ حالت تھی محبت میں کہ جب آپ غار میں چھپے ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یوں عرض کیا کہ پہلے مجھے جانے دیجئے۔ شاید کوئی چیز موذی ہو۔ جب غار میں پہنچے تو اس میں بہت سے سوراخ تھے۔ آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ کر ان کو بند کیا۔ دو سوراخ باقی رہ گئے اور کوئی چیز بند کرنے کو رہی نہیں تو آپ نے دونوں پاؤں ان میں اڑا دیئے اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تشریف لے آئیے ـــــ کیا ٹھکانا ہے اس عشق و محبت کی!

حضور اندر تشریف لائے اور نیند غالب ہوئی تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمایا۔ وہاں ان سوراخ میں ایک سانپ تھا اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں ڈسا مگر پاؤں محض اس لئے نہ ہلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے چین نہ ہوں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور چہرہ مبارک پر آنسو گرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اثر جاتا رہا۔ مگر انہوں نے تو اس بھروسہ پر پاؤں نہ دیا تھا کہ اگر کچھ ضرر پہنچے گا تو حضور والا دعا کریں گے مگر باوجود اس (محبت) کے کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا جس میں ابوبکر مغلوب ہو گئے ہوں۔

کمالِ عشق

سب سے بڑا واقعہ وفات کا تھا۔ ایسے عشاق کو تو حس بھی نہیں رہنی چاہئے تھی مگر وہی ہیں کہ ثابت قدم رہے

حضرت عمرؓ کس قدر پریشان ہو گئے۔ اسی میں ان کو اجتہادی غلطی ہو گئی وہ غلطی یہ تھی کہ بعض صحابہؓ وفات ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا سمجھتے تھے کہ یہ ایسا ہی ہو گا جیسے معراج میں (کہ حضورؐ جا کر واپس آ گئے تھے۔ اسی طرح یہاں بھی ہو گا کہ گو وفات ہو گئی مگر پھر زندہ ہو جاویں گے۔) اس وقت ایک عارضی غیبت سے اس کے مرتفع ہونے پر آپ زندہ ہو جاویں گے۔ یہ خیال تھا بعض صحابہؓ کو۔ یہی حال تھا حضرت عمرؓ کا۔ یوں کہتے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ گھر میں تشریف لے گئے اور چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا۔ یعنے آپ حیات اور موت دونوں حالت میں پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اس سے منزہ ہیں کہ حق تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کریں۔ نہیں کبھی نہیں ایسا ہو گا! اور باہر آ کر فرمایا حضرت عمرؓ سے، اے بھلے مانس بیٹھ! پھر جا کر خطبہ پڑھا۔

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ۔

اور یہ آیت پڑھی۔

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ط اور یہ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

اور بعض صحابہ کا جو یہ خیال ہو گیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت

ہیں محبوب کی موت کا خیال بھی لانا گوارا نہیں ہوتا اس لئے صحابہؓ کبھی سوچتے بھی نہ تھے کہ موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگی۔

مجھ کو اس پر تعجب ضرور ہوتا تھا مگر ایک واقعہ دیکھ کر یقین ہوگیا قریب کا واقعہ ہے۔ ایک بی بی کی شادی ہوئی ایک عالم سے وہ عالم مر گئے۔ شدید صدمہ ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ تحقیق ہوئی کہ اس بی بی کا گمان یہ تھا کہ عالم مرا نہیں کرتے اور یوں کہا کرتی تھیں کہ میں بڑی ہی خوش قسمت ہوں جو ان سے شادی ہوئی کہ کبھی مریں گے نہیں۔ ان کا طاعون میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ بی بی کہتی تھیں کہ میں نے سنا ہی نہ تھا کہ مولوی مرتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے اب موجود ہیں جو علماء پر موت کے ورود کو بعید سمجھتے ہیں تو صحابہ کا مرتبہ حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسا خیال ہو تو کیا بعید ہے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ باوجود کمال عشق کے مستقل رہے۔ تو حقیقت میں کمال عشق وہ ہے جو کمال عقل کے ساتھ ہو۔ سوایسا شخص مغلوب نہ ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نہیں چھوڑے گا۔

ہمارے مجمع میں ایک مجذوب ہیں اللہ اور اہل اللہ کا نام سن کر اس قدر چلاتے ہیں کہ تاب نہیں رہتی مگر نماز میں کبھی چیخ نہیں نکلتی۔ آہ بھی نہیں نکلتی۔ یہ کمال اتباع کی دین ہے۔

شیخ عبدالحق ردولویؒ اس قدر مغلوب الحال تھے کہ جامع مسجد

ہیں تیس برس تک نماز پڑھنے پر بھی مسجد کا راستہ یاد نہ ہوا مگر جماعت ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوئی۔

مخدوم صابرؒ بارہ برس تک مستغرق رہے مگر کبھی نماز قضا نہ ہوئی نماز پڑھی پھر مستغرق ہو گئے۔ یہ کمال عقل کی علامت ہے اور عقل جس قدر زیادہ کامل ہو گی اتنی ہی زیادہ محبت ہو گی۔ جیسے یہ حضرات اہل محبت تھے کہ خدا کے احکام کے اندر مغلوب نہ ہوئے۔

اس کا راز یہ ہے کہ محبت بڑھتی ہے معرفت سے اور معرفت ہوتی ہے عقل سے۔ جتنی عقل کامل ہو گی اتنی ہی معرفت ہو گی اور جتنی معرفت ہو گی اتنی محبت ہو گی۔ جتنی عقل کم ہو گی معرفت کم ہو گی۔ بس کامل العقل وہ ہے جس کی شان انبیاء علیہم السلام کی سی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کو کتنی محبت تھی مگر مغلوب نہیں ہو گئے تھے۔ سو کمال محبت تو یہ ہے کہ اضطراراً بھی احکام میں اختلال نہ ہو۔ لیکن اگر ایسا اختلال بھی ہو گیا تو گو کمال نہیں مگر صدق تو ہے۔ اور جہاں اختیاراً و قصداً اختلال ہو جیسے یہ لوگ (مدعیان محبت) کھاتے پیتے، نذرانے کرتے ہیں۔ رشوت، سود، بٹا لیتے دیتے ہیں پھر عاشق۔ یہ اچھے عاشق ہیں کہ سارے احکام ان سے ٹل گئے ظاہر ہے کہ جب مغلوب نہ ہو گا تو تمام احکام اس پر ہوں گے۔ سو ایسے لوگوں کے متعلق تو کمال سے قطع نظر کر کے محبت ہی میں کلام ہے۔

خاصیت محبت | دوسرے محبت کی خاصیت یہ ہے کہ اِذَا جَاءَتِ الْاُلْفَۃُ رُفِعَتِ الْکُلْفَۃُ۔ یعنی وہ شخص محب

رسوم کا پابند نہیں ہوتا۔ تکلف جاتا رہتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان مدعیوں میں تکلف اور زیادہ ہے۔ صحابہ کی شان تھی کہ وہ اکثر اوقات ذکر کرتے تھے رسم کی اس میں کوئی قید نہ تھی۔ چار آدمی بیٹھے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اور کوئی ذکر کریں، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تھے ہماری یہ کیفیت ہے کہ کسی کو سال بھر کے بعد یاد آتا ہے کسی کو مہینہ کے بعد۔ وہ اس کے منتظر نہیں رہتے تھے کہ مجمع کریں، شیرینی منگائیں اب یہ کیا بات ہے کہ کبھی بلا اس کے ذکر ہی نہیں ہوتا۔ خصوصاً جب کہ تکلف آپ کی سنت کے بھی خلاف ہو۔ جن کی محبت کا دعویٰ ہے۔ پس گو ایک لمپ کافی ہو مگر بیس بیس جلائیں گے۔ کیا یہ اسراف نہیں ہے۔ واعظ کے لئے مسند بچھایا گیا ہے خواہ پشمینہ ہی ہو۔ اس کا استعمال کہاں جائز ہے داڑھی منڈوائی ہے۔ یہ ادب ہے محفل ذکر شریف کا اور جہاں ایسا تکلف نہ ہو اور کوئی شخص محفل منعقد کرے تو کوئی بھی نہ آئے۔

یہاں کانپور کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اشتہار دیا کہ فلاں مسجد میں میلاد ہے مگر اخیر میں مٹھائی نہیں بانٹی تو برا بھلا کہتے گئے کہ بڑا دھوکا دیا۔ محبوب کا ذکر بھی سن کر مٹھائی کی سوجھ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ محبت تو کیا ہوتی نقل محبت بھی نہیں۔ اگر نقل ہوتی تو کم از کم صورت تو ویسی بنا لیتے۔ وہی ہیئت بنا لیتے۔

اس پر عالمگیر کی حکایت یاد آئی۔ جب عالمگیر کی تخت نشینی کا جلسہ ہوا

تو کام کے لوگوں کو عطا یا دیئے گئے۔ ایک بہروپیہ بھی مانگنے آیا مگر عالمگیر عالم تھے۔ اس کو کس مد سے دیتے اور ویسے صاف انکار کرنا بھی آداب شاہی کے اعتبار سے نازیبا معلوم ہوا۔ حیلہ سے ٹالنا چاہا۔ اس سے کہا کہ انعام کسی کمال پہ ہوتا ہے۔ تمہارا کمال یہ ہے کہ ناشناسا صورت میں آؤ۔ مگر وہ جب کبھی بھیس بدل کر آیا بادشاہ نے پہچان پہچان لیا۔ کبھی دھوکا نہیں کھایا کہ جس روز دھوکا دے دے گا انعام کا مستحق ٹھہرے گا! اتفاق سے عالمگیر کو سفر دکن کا درپیش تھا۔ بہروپیہ داڑھی بڑھا، مقدس لوگوں کی صورت بنا کر رستہ میں کسی گاؤں میں جا بیٹھا۔ کچھ روز کے بعد شہرت ہو گئی۔ عالمگیر کی عادت تھی کہ جہاں جاتے تھے علماء اور فقراء سے برابر ملتے تھے۔ چنانچہ جب اس مقام پر پہنچے وہاں شہرت سن کر اوّل وزیر کو اُس کے پاس بھیجا۔ وزیر نے کچھ مسائل تصوف کے پوچھے۔ اُس نے سب کے جواب معقول دیئے ——— بات یہ تھی کہ اُس وقت بہروپیے ہر فن کو قصداً حاصل کرتے تھے ——— وزیر نے آ کر عالمگیر سے بہت تعریف کی۔ عالمگیر خود ملنے گئے۔ آپس میں خوب گفتگو رہی اور خوب سمجھ گئے کہ شاہ صاحب کامل شخص ہیں۔ چلتے وقت ایک ہزار اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اُس نے لات ماری اور کہا کہ تو ہم کو بھی سگِ دنیا خیال کرتا ہے اس سے اور بھی اعتقاد بڑھا ——— واقعی استغناء عجیب چیز ہے عالمگیر لشکر میں واپس چلے آئے۔ پیچھے پیچھے بہروپیہ صاحب پہنچ کر لائیے انعام! خدا حضور کو سلامت رکھے!! بادشاہ نے کہا، ارے تو تھا؟

غرض انعام دیا مگر معمولی اور کہا کہ اس وقت جو پیش کیا تھا اس کو کیوں نہیں لیا تھا۔ وہ تو اس سے بہت زیادہ تھا اور میں اُن کو واپس تھوڑے ہی لیتا۔ اُس نے کہا کہ حضور اگر میں لیتا تو نقل صحیح نہ ہوتی کیونکہ وہ فقیری کا روپ تھا اور فقیر کی شان کے خلاف تھا وہ لینا۔

نقل تو اس کو کہتے ہیں کم از کم مدعیان محبت نے شکل تو بنائی ہوتی اہل محبت کی سی۔ اگر شکل بناتے تو ظاہر ہی میں رسم اذا قیود کی پابندی نہ ہوتی۔ عرب میں پھر یہاں سے تفاوت ہے۔ یہ حالت ہے کہ چھوارے بانٹنے شروع کئے۔ اگر کچھ آدمی پچ رہے اور چھوارے ختم ہو گئے، تو کہہ دیتے ہیں (خلاص) یعنی اب نہیں رہا۔ یہاں یہ کیفیت ہے کہ اگر مٹھائی آنے میں دیر ہو تو پڑھنے والے سے کہہ دیتے ہیں کہ ذرا اختصار تمام کر پڑھنا امرتیاں منگائی ہیں ابھی آئی نہیں کبھی نک کمی ہو جاوے یہاں تو نقل بھی نہیں ڈھکوسلے ہی ہے۔

بے تکلفی پر یاد آیا کہ ایک بزرگ تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ کبھی کبھی کچھ منگا کر مساکین کو تقسیم کر کے روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچا دیتے۔ ایک دفعہ کچھ نہ تھا چنے ہی تقسیم کر دیئے تو خواب میں دیکھا کہ چنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہیں۔ محبت کا طریق یہ ہے محبت میں تو تکلف ہو ہی نہیں سکتا۔

خلوص کا فقدان

ایک بزرگ کے خلوص اور بے تکلفی کی حکایت یاد آئی کہ وہ ایک دوسرے بزرگ سے ملنے چلے

اُن کا جی چاہا کہ کچھ لے چلیں مگر پاس کچھ تھا نہیں۔ بس یہ کیا کہ جنگل سے خشک لکڑیاں ہی تھوڑی سی جمع کر کے لے گئے اور پیش کر دیں۔ اُنہوں نے حکم دیا خادم کو کہ یہ لکڑیاں احتیاط سے رکھو لو۔ جب ہمارا انتقال ہو تو پانی ہمارے غسل کے لیے ان ہی لکڑیوں سے گرم کیا جائے۔ ہم کو اس کی برکت سے امید ہے نجات کی۔

یہ کیفیت تھی بے تکلفی کی اور اب تو یہ حالت رہ گئی ہے کہ یوں خیال کرتے ہیں کہ پیر کی خدمت میں جب جائیں کہ جب کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیر کو بھی دنیا دار سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا سمجھا ہے تو ایسے پیر کو چھوڑ دینا واجب ہے ـــــ یہ تو مریدوں کے تکلف کی کیفیت تھی۔

اب رہے پیر سو اُن کے طمع کی بھی یہ حالت ہے کہ جب کوئی مریدین میں سے اُن کے پاس آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ کچھ لایا ہو گا بقول مولانا گنگوہی کے کہ کوئی سر کھجلانے لگے تو پیر یہ سمجھیں گے کہ پگڑی سے نکال کر کچھ دے گا۔ ایسا طمع کا باب کھلا ہے۔ ایسے پیروں سے تو اُن کے بعضے مرید اچھے جو پیر سے محض نیک نیتی سے تعلق رکھتے ہیں گو اس تعلق رکھنے میں اُن سے غلطی ہوئی ہے مگر خلوص تو ہے۔

ایک ایسے ہی پیر و مرید کا قصہ یاد آیا کہ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری غلاظت میں۔ پیر نے کہا کہ کیوں نہیں ہم ایسے ہی ہیں اور

تم ایسے ہی ہو۔ مرید نے فوراً کہا کہ حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی چاٹ رہا ہوں۔ پیر نے کہا نکل یہاں سے خبیث۔ اُس نے کہا کہ خبیث تو ہوں مگر دیکھا یوں ہی ہے۔

یا تو واقعی یہ خواب ہی دیکھا ہوگا یا مرید نے پیر کا حال ظاہر کرنے کو تراشا ہوگا۔ ہر حال میں مطلب یہ تھا کہ مرید کا تعلق تو پیر سے دین کے لیے تھا اور پیر کا تعلق مرید سے دنیا کے لئے تھا۔ یہ حالت ہو رہی ہے۔ پیری کیا ہے ایک دکان ہے۔ کیسی پیری مریدی۔ اگر پیر ایسا ہے کہ تمہارے خالی جانے سے ناراض ہوگا تو واجب ہے آپ کے ذمہ کہ اس کو طلاق دو۔ غرض یہ تکلفات سب علامتیں اسی کی ہیں کہ خلوص اور حقیقی محبت نہیں۔

اسی طرح ذکرِ مبارک نبوی میں سمجھئے کہ اگر سچی محبت ہوتی تو قیود و تکلفات کا انتظار نہ ہوتا۔ چین نہ ہوتا۔ یہ نہ سوچتے کہ پہلے لڈو منوالیں اس وقت ذکر کریں گے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ ارے بھائی! کیا اس میں اس قسم کی کوئی شرط ہے۔ نماز میں تو وقت و عدد وغیرہ کی شروط ہیں مگر ذکر میں تو بجز موافقت حدود شرعیہ کے ایسی کوئی شرط نہیں جیسا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوئی شرط نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اس میں نہ وضو کی قید ہے نہ وقت کی قید نہ عدد کی قید بلکہ یہ ہونا چاہیے سہ

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

اور ــ

ہر آں کو غافل از حق یک زمان ست
در آندم کافر ست اماں نہاں ست

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر کرتے تھے یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ۔ البتہ علماء نے استثنا فرمایا ہے کہ پاخانہ پیشاب کے وقت زبان سے نہ کہے لیکن قلب سے دھیان رکھے۔ جب ذکر اللہ کے یہ احکام ہیں اور عشاق کے نزدیک آپ کا ذکر مثل ذکر اللہ تعالیٰ کے ہے جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے کوئی قید نہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لئے کیوں کوئی قید ہوگی بہا آدمی بیٹھیں حضورؐ کا ذکر کریں۔ تنہا ہو ذکر کرے بلکہ تنہائی میں تو بہت لطف آتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

جو بڑی بڑی محفلیں کرتے ہیں ان سے قسم دے کر پوچھئے کہ بدون اس خاص ہیئت کے تم کو کتنی توفیق ہوتی ہے اس ذکر کی۔ کوئی کتاب پڑھتے ہو اس سے مزہ لیتے ہو بلکہ بعض تو اس کو (یعنی میلاد کو) دین بھی نہیں سمجھتے بلکہ عمل سمجھتے ہیں روزگار کی ترقی کا۔ اسی نیت سے کرتے ہیں

گیارہویں بارہویں اور یوں سمجھتے ہیں کہ سال بھر تک جو کمایا تھا گیارہویں بارہویں کرنے سے گذشتہ تو ساری کمائی پاک ہو جاوے گی اور آئندہ آفات سے بچے رہیں گے۔ عہدہ بڑھے گا اولاد جیئے گی۔ ان دنیاوی اغراض سے کرتے ہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ۔ اسی لئے ایسے لوگوں میں بالکل ادب نہیں ذکر مبارک کا۔

یہیں کا قصہ ہے کہ ایک جگہ میلاد ہوا اور اس سے اگلے ہی دن وہیں ناچ ہوا۔ شادی تھی ایک صاحب کے یہاں جس میں ناچ کی دعوت بھی کی گئی تھی۔ بعض ان کے دوستوں میں ثقہ بھی تھے انہوں نے انکار کیا بس ان کی ضرورت سے یہ محفل کی تھی مگر دوسرے دن وہیں ناچ کی محفل کرا دی جو ان کا اصلی مقصود تھا۔

اس شخص نے دونوں پلے برابر سمجھے یہ حالت ہے۔ اور بعض جگہ اگر کوئی ایسا امر منکر بھی نہیں ہوتا تب بھی سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ روایات میں اس قدر بے اعتدالی کرتے ہیں کہ جن کا سر نہ پاؤں۔

شعراء کی بے ادبیاں قصیدے اس قسم کے پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی یا خود رسول کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں عرض کرتا ہوں، واقعات دکھاتا ہوں تاکہ محض فرضی ڈھونگ نہ سمجھا جائے۔ ایک قصیدہ ہے اور اس کا یہ شعر شاعری میں آکر یوں کہہ دیا ہے

طواف کعبہ مشتاقِ زیارت کو بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہیئے آخر رقیبوں کی تمنا کا

یعنی اصل تو زیارت مدینہ کی ہے حج مقصود نہیں ہے۔ حج محض ایک مصلحت سے کرتے ہیں اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) عاشق ہیں حضور صلعم کے اور ہم بھی عاشق۔ اس لیئے حضور کی زیارت کو چلے اور محبوب کے دو عاشق آپس میں رقیب کہلاتے ہیں تو گویا اللہ میاں (نعوذ باللہ) ان کے رقیب ہوئے اور رستہ میں گھر پڑتا ہے رقیب کا جو قادر ہے شاید جانے نہ دے اس لیئے حج کر کے ان کی خوشامد کر لینی چاہیئے۔ اس سبب سے پہلے طواف کعبہ کرتے ہیں کہ خوش رہیں اور کچھ کھنڈت نہ ڈال دیں (نعوذ باللہ) اور لیجئے ؎

یئے تسکینِ خاطر صورتِ پیراہنِ یوسف
محمدؐ کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں سو شاعر صاحب اس کا نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سایہ کیوں نہ تھا تو وہ نکتہ یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت یہ سوچ کر کہ یوسف مجھ سے جدا ہوتے ہیں میرے دل کو تسلی کیسے ہوگی پیراہن رکھ لیا کہ اسی کو دیکھ لیا کروں گا۔ اسی طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا چاہا تو

سوتج ہوئی کہا کہ میں کاہے سے تسلی حاصل کروں گا۔ اس لیئے سایہ کو رکھ لیا کہ اس سے تسلی تو ہو جایا کرے گی۔

الٰہی توبہ! الٰہی توبہ!! انصاف سے کہیے کہ ان مضامین کے بعد ایمان باقی رہ سکتا ہے۔ اس شعر میں حق تعالیٰ کے لیئے بے چینی ثابت کی ہے۔ بصیر بصیر ہونے کا انکار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جب بصیر و خبیر ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کرتے پھر سایہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیا ایسی محفل کرنے سے پکڑ دھکڑ نہ ہوگی۔ بانی مجلس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ اگر دین ایسا سستا ہے کہ کہیں سے بھی نہیں جاتا تب تو خیر گستاخی بھی کوئی چیز نہیں مگر دین تو ایسا سستا نہیں ہے۔ کیا دین کے یہ معنی ہیں کہ سب کچھ کیئے جاؤ اور وہ نہ جائے۔

یہ تو اللہ میاں کی شان میں سوء ادب تھا اب انبیاء علیہم السلام کی شان میں دیکھئے۔ ایک شاعر صاحب کہتے ہیں۔

بر آسمانِ چہارم مسیح بیمار ست
تبسم تو برائے علاج در کار ست

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانِ چہارم پر بیمار ہیں اور ان کا علاج آپ کا تبسم ہے۔ یہ تو بتایئے کہ کیا حضرت عیسیٰ بیمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم سے وہ اچھے ہو جائیں گے اور حقیقت میں اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناراض کرنا ہے۔ یہ سمجھنا چاہیئے کہ کیا حضور

صلے اللہ علیہ وسلم ایسی بات سے خوش ہوں گے جس میں دوسرے نبی کی توہین ہوتی ہو۔

آپ سمجھئے کہ اگر آپ کو کوئی بھائی حقیقی ہو اور اُس کے ایک بیٹا ہو اور وہ آپ کی شان میں گستاخی کرے تو کیا بھائی کو یہ بات پسند ہوگی۔ اسی طرح انبیاء آپس میں بھائی ہیں اور حضورؐ تو سب میں بڑے ہیں اگر آپ نے کسی نبی کی توہین اور اُن کی شان میں گستاخی کی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے۔

ایک شاعر صاحب ہیں کہ انہوں نے لعنت لکھنے کے لئے روشنائی تجویز کی ہے اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کو اُس روشنائی کے حل کرنے کے لئے کھرل قرار دیا ہے۔ وہ شعر اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ سچ بتائیے ایمان سے اگر ہم انبیاء علیہم السلام کو کسی موقع پر مجتمع پائیں اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں تو کیا اس مجمع میں ہم اُن اشعار کو تکرار کر سکتے ہیں۔ کیا یعقوب علیہ السلام کی آنکھ میں روشنائی پیس سکتے ہیں یا اُن کے منہ پر ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ جو بات منہ پر کہنا بے ادبی قرار دی جائے کیا پیچھے کہنا گستاخی نہ ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان ہے۔ مخلص لوگوں نے تو دوسرے اہل اللہ کے ساتھ اس کی رعایت کی ہے۔

ایک قصہ یاد آیا۔ ایک عورت جس کو جذام کا مرض تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طواف کعبہ کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ یا اَمَةَ اللّٰہِ اُقعُدِی

فِیْ بَیْتِکَ وَلَا تُؤْذِی النَّاسَ۔ یعنی کہ لوگوں کو تیری وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اب نہ آنا ہوتا تھی وہ چلی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر طواف کا شوق ہوا آکر طواف کرنے لگی۔ ایک شخص نے کہا کہ خوب دل کھول کر طواف کر جو شخص بیزار کرنے والا تھا وہ انتقال کر گیا۔ کہنے لگی وہ شخص ایسا نہ تھا۔ کہ سامنے تو اس شخص کا اتباع کیا جائے اور بعد میں مخالفت کی جائے یہ کہہ کر چل دی اور کہا کہ اب نہ آؤں گی۔ کیونکہ وہ منع کر گئے تھے۔ میں تو اس لئے آئی تھی کہ طواف کر کے پھر ان کو راضی کر لوں گی جب وہ نہیں تو پھر کس سے معاف کراؤں۔

سو آدمی پیچھے وہ معاملہ کرے جو سامنے کر سکتا ہو۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیچھے کیوں ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جو سامنے نہیں کر سکتے۔ کسی نے خوب ہو کیا ہے اس شعر کا (جس میں دیدۂ یعقوب کو کھرل بنایا تھا) وہ یہ ہے ؎

ابھی اس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل
نظر آتا ہے جسے دیدۂ یعقوب کھرل

اور کہتے ہیں ؎

تو بہ ہے یوں ہو کہیں چشم نبی مستعمل
کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجہل

انبیاء کی شان میں تو ایسے اشعار بطور نقل بھی کہتے ہوئے پریشانی ہوتی ہے۔ بلکہ سب سے بڑھ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

نہایت بے ادبی کی جاتی ہے۔ آپ کی شان میں کہتے ہیں فتنۂ عرب، شورِ عجم، آوردہ رسم کافری۔ جس ذات نے کفر کی جڑ کاٹی اُن کے لئے یہ کہا جائے۔ اصل میں یہ امیر خسرو کا شعر ہے جو مجازی فرضی محبوب کے لئے کہا گیا ہے کسی نے اس کو نعت کے اشعار میں تضمین کر دیا ہے باقی امیر خسرو نے یہ شعر نعت میں نہیں کہا اور اگر امیر خسرو بھی کہتے تو ہم اُن کی نسبت بھی یوں کہتے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اُن کی بھی غلطی ہوتی۔ باقی اُن کی نسبت ہم زیادہ اس لئے نہ کہتے کہ وہ بزرگ ہیں وہاں تاویل غلبۂ حال کی ہو سکتی ہے گو اوروں کو اُن کا نقل بطورِ شغل کے جائز نہ ہوتا۔ مگر جو صاحبِ حال بھی نہ ہو اس کے پاس کیا عذر ہے ان گستاخیوں کا۔

صحابیین پر تہمت

اب بتلائیے یہی محبت ہے۔ نیز اگر محبت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے حقوقِ محبت بھی تو ادا ہوتے۔ جو لوگ اہتمام کرتے ہیں اس مجلس کا اُن سے قسم دے کر پوچھو کہ وہ کس قدر درود شریف دن رات میں پڑھتے ہیں۔ اگر اُن سے جب کہ وہ محفل میں بلانے کے لئے آویں یوں کہو کہ جتنے درود شریف وہاں پڑھے جاتے ہیں اُس سے زیادہ یہاں پڑھ لوں گا تو کبھی راضی نہ ہوں۔ ایک شخص ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ رہا ہے اُس پر تو انکار ہے اور جو محفل میں چار مرتبہ بھی نہ پڑھیں گے وہ سنی ہیں۔ ایسے ہی لوگ اصلاح کرنے والے کو کہتے ہیں کہ مولود شریف

کہا منکر ہے۔

مگر صاحبو! سمجھنے کی بات ہے کہ نماز سے بڑھ کر تو کوئی چیز نہیں لیکن اس میں بھی اگر کوئی شخص بجائے قبلہ کے ادھر (مثلاً مشرق کیطرف) منہ کر کے اور گھٹنے کھول کر پڑھے اور اس پر کوئی منع کرے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ نماز سے روکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے روکنا تو اس کو کہتے ہیں کہ نہ تو کلمہ پڑھنے دے نہ حضورؐ کا نام لینے دے ایسے شخص کو بے شک منکر کہیں گے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر واجب ہے مگر تعجب ہے کہ اس کو منکر کہا جاتا ہے۔ جو شخص یوں کہے کہ نشر الطیب پڑھو اور وہ کتابیں پڑھو جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر حالات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات مذکور ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ یہ سب ذکر ہی ہیں مگر اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ کیا ایسے شخص کو منکر رسولؐ کہیں گے۔ کیا یہ تہمت نہیں ہے۔ کیا اس کا حساب نہ ہوگا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے کسی نے پوچھا کہ مولود کیسا ہے تو فرمایا کہ ہم تو ہر وقت مولود کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور فرمایا یہ بھی تو مولود ہو گیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کیسے پڑھا جاتا۔ مولانا کا یہ مولود شریف تھا۔ ایسے شخص کو یہ کہنا کہ منکر رسولؐ ہے اس کو محبت نہیں

رسولؐ سے کتنی سخت بات ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کرتے تھے وہاں یہ قیدیں کہاں تھیں کسی صحابی نے مٹھائی منگائی ہو۔ کسی نے صحابہ کو بلا کر جمع کیا ہو۔ نہ آنے والوں کو ناراض ہوا ہو، تو بتلاؤ۔

ایجاد میلاد کی وجوہ

بات یہ ہے کہ یہ چیزیں دو طرح سے ایجاد ہوئی ہیں بعض تو تکلف و تفاخر کی غرض سے چنانچہ ہم اس کی علامت بتلاتے ہیں کہ ایک فہرست لکھواؤ اور اس میں یہ بھی لکھو کہ ہمارے ہاں مٹھائی نہ ہوگی۔ دیکھیں ایسی فہرست لکھنا کون گوارا کرتا ہے۔ اس سے تو بانی صاحب کی طبیعت اور نیت کا حال معلوم ہوگیا۔ اگر تفاخر نہیں تو یہ کیوں ناگوار ہے۔

آگے سننے والوں کی نیت تو دیکھئے کہ اگر کوئی ہمت کر کے لکھ بھی دے تو پھر دیکھنا آتا کون ہے۔ دو قسم کی محفلیں کر کے دیکھ لو۔ ایک وہ محفل جس میں مٹھائی ہو اور ایک وہ جس میں مٹھائی نہ ہو۔ پھر دیکھو کہاں زیادہ آدمی ہوں گے۔ دوسرے تفاخر کی ایک دلیل یہ ہے کہ اگر اتفاقاً مٹھائی کم ہو جائے اور آدھے آدمی بلا مٹھائی چلے جائیں تو منتظم کے خیال سے کس قدر قلق ہوتا ہے۔

اگر لوگ مسجد میں نماز کے لئے آئیں گو کسی اشتہار پر ہی آئیں اور جگہ نہ ملے تو کوئی شکایت نہیں کرتا کہ منتظم صاحب نے بے قدری کی اور نہ منتظم کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو جگہ نہیں ملی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نہ منتظم کہہ سکتا ہے کہ ہمارے اوپر کوئی احسان نہیں۔ آپ دین کا کام

کرنے آئے تھے۔ جس قدر اہتمام ہم سے ہو سکتا تھا ہم نے کر دیا۔ ہمارے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ ہاں کسی کے بلائے ہوئے شادی میں آؤ اور اہتمام میں کمی ہو تو شکایت ہو سکتی ہے پھر جب محفل میلاد میں جگہ نہ ملنے یا مٹھائی کے رہ جانے کی شکایت ہوتی ہے اور خود محفل انجام دینے والے کو بھی سخت شرمندگی ہوتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مثل سامان مسجد کے نہیں سمجھتے مثل شرکت شادی کے سمجھتے ہیں جہاں تفاخر سبب ہوتا ہے اہتمام کا۔ جس کی کمی سے شکایت ہوتی ہے۔ پس اگر اس محفل کو دین کا کام سمجھتے ہیں تو حالات مذکورہ میں شرمندگی کیوں ہوتی ہے۔ اسی طرح مٹھائی موقوف کر دی جاوے تو اس سے سامعین کی نیت کا اندازہ ہو جاوے گا کہ کتنے آدمی ذکر میں شریک ہوتے ہیں اگر مٹھائی کے موقوف کرنے سے یہ نفع ضرور ہوگا اور دوسرے غریب بھی ہمت کریں گے ذکر کی جن کو وسعت نہیں مگر کیا کوئی اس کو گوارا کر سکتا ہے۔ نام کیسے ہوگا۔

قیام کی اصل

غرض ان رسوم کی ایجاد کی بنا ایک تو یہی تکلف و تفاخر ہے جس کو ابھی بیان کر چکا ہوں۔ اور بعض شرعی ہوئی ہیں غلبہ حال سے چنانچہ قیام کی اصل یہی غلبہ حال اور وجد ہے اور آداب وجد میں سے امام غزالی نے لکھا ہے احیاء العلوم میں کہ اگر مجلس میں کسی کو وجد ہو اور وہ کھڑا ہو جاوے تو سب کو چاہئے کہ کھڑے ہو جاویں کیونکہ مخالفت سے انقباض ہوتا ہے اور موافقت سے انبساط

مخالفت سے طبیعت بچ جاتی ہے۔

تو یہ قیام کرنا بھی ذکر مبارک میں کوئی حکم شرعی نہیں، صحابہ سے ثابت نہیں، محض ایک قسم کا وجد ہے۔ کسی وقت میں کسی صاحب حال پر حال طاری ہوا۔ وہ حالت غلبہ میں کھڑا ہو گیا اور مطابق ادب وجد کے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اُن کے کھڑے ہونے پر سب کھڑے ہو گئے۔ بس اصل تو اتنی تھی۔ بعد میں کسی کو یہ ہیئت پسند آئی۔ بس پاس کر لی۔ (یعنی یہ بات اختیار کر لی کہ جب ذکر ولادت شریف ہو تو ضرور کھڑا ہوا جائے) اب غلو کی یہ حالت ہے کہ نماز تو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے عذر میں، مگر میلاد بدون قیام نہیں ہوتا۔ بہر حال جب یہ وجد تھا تو جب غلبہ حال نہیں تو پھر اس کے اختیار کرنے کے کیا معنی!

پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج اور وفات کا ذکر بھی تو ذکر ہی ہے۔ نزول وحی کا ذکر بھی ذکر ہے پھر پیدا ہونے کے ذکر کی کیا تخصیص ہے۔ بس رسم ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جیسے بعض بعض جگہ سماع میں اختراعات ہو گئے ہیں کہ اصل تو گزر گئی رسم رہ گئی۔

ایک موقع پر ایک بزرگ پر عین سماع کے اندر ایک وجد طاری ہوا وہ اٹھ کر مسجد کی طرف چلے۔ قوال اُن کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ قوال بھی پہنچ گئے مسجد میں بس اتنی حقیقت تھی۔ ایک دفعہ ایسا ہو گیا تھا۔ اب وہاں لازم ہو گیا ہے کہ عین سماع کے اندر صاحب سجادہ قصداً کھڑے ہوتے ہیں اور مسجد میں جاتے ہیں اور قوال اُن کے پیچھے پیچھے

ہوتے ہیں اور مسجد میں بیٹھ کر گانا بجانا ہوتا ہے۔

اسی طرح کوئی صاحب وجد ذکر نبوی سن کر کھڑے ہو گئے تھے، محبت رسولؐ میں اور دوسرے شرکا کھڑے ہو گئے اُن کی موافقت میں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اب یہ لازم کیوں ہو گیا۔ اگر یوں کہو کہ جی چاہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مستحب میں بھی احتمال ہو اوروں کے بگڑنے کا تو اُس کو نہ کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ مستحب بھی نہ ہو محض جی ہی چاہتی چیز ہو تو اگر اُس کو اس مفسدہ کے سبب ترک کر دیں تو کیا حرج ہے۔ اور اگر بالکلیہ ترک کرنے کو دل گوارا نہ کرے تو اچھا ضروری اصلاح تو ضرور ہی ہونا چاہیے۔ جس کی آسان صورت یہ ہے کہ میلاد میں کبھی قیام کریں کبھی نہ کریں۔ اگر ایسا ہو تو کیا حرج ہے۔ صاحب اگر پھر کوئی منہ پر اعتراض کرے تب ہی کہیئے۔ مشکل تو یہ ہے کہ اس کو ایسا لازم سمجھتے ہیں کہ بھلا کوئی ترک قیام کرا تو لے۔ باقی منع کرنے والے مطلقاً حرام نہیں کہتے جیسا کرنے والے لوگ مطلقاً واجب سمجھتے ہیں۔ بہر حال جب ایسی ایسی باتیں پیدا ہو گئیں تو اگر نہ کہا جائے تو کیا جائے۔

اسی طرح گیارہویں ہیں گیارہ تاریخ کی پابندی نہ کرو کبھی نویں کو کر لو کبھی بارہویں کو کر لو مگر عقیدہ درست رکھو۔ اب تو یہ بھی نہیں۔ اکثر لوگ گیارہویں ڈر کے مارے کرتے ہیں کہ نہ کریں گے تو حضرت سیدنا غوث پاکؒ ناخوش ہو جاویں گے جس سے کچھ ضرر ہو جاوے گا اور اگر خوف سے نہ کرتے اُن کو مقبول سمجھ کر محبت سے کرتے، تو پھر

پابندی کی ضرورت کیا تھی۔ کیا مقبولین و اولیاء کی یہ شان ہوتی ہے کہ نذرانہ دو خوش ورنہ ناخوش۔

ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ میں نے ان بدعات کے متعلق بیان کیا تو وعظ کے بعد ایک صاحب بیان کرنے لگے کہ ایسے مسائل بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ لوگوں کو بھڑکانا۔ میں نے کہا ضرورت آپ ہی حضرات نے ثابت کی ہے۔ اگر آپ یہ بدعات نہ کرتے ہوتے تو ہمیں ان کے رد کی نوبت نہ آتی۔ آپ نے کرنا چھوڑ دیا ہم رد کرنا چھوڑ دیں۔ قصور تو آپ ہی کا ہے۔ آپ عمل کرتے ہیں بلا ضرورت ہم کہتے ہیں بضرورت۔ باقی ہم نفس عمل کو منع نہیں کرتے۔ غرض تخصیص تاریخ کی چھوڑ دو اور نیت اپنی درست کر لو ہم کچھ نہ کہیں گے۔ نیت یہ مت رکھو کہ روزگار میں ترقی ہو گی یا بیٹا ہو گا۔ نیت یہ رکھو کہ حضرت غوث اعظم ہمارے محسن ہیں کہ ہم کو ان سے دین پہنچا اگر وہ تشریف رکھتے ہوتے تو ان کی خدمت کرتے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا تو ہم ان کو ثواب ہی بخش دیں تو پھر ہم منع نہ کریں گے۔ مگر معیار اس نیت کا یہ ہے کہ پھر سب کی نیاز ہونا چاہیے۔ ابو حنیفہ کی بھی، امام بخاری کی بھی (کیونکہ سب محسن ہیں) حضرت غوث اعظم رح کی تخصیص نہ ہو گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تخصیص کیوں کر لی ہے۔

اسی طرح سے ہم قیام کو منع نہیں کرتے مگر کہیں تو ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہو جاؤ کبھی رضاعت کے بیان میں کبھی معراج کے ذکر

ہیں علیٰ ہذا بعض محفل میں تین چار دفعہ کھڑے ہو جاؤ۔ اگر اس طرح رکھو تو کون شخص منع کرے۔ یہ حقیقت ہے اس عمل کی۔

مقصود یہ ہے کہ محبت رسول یہ نہیں ہے جیسے تم کرتے ہو۔ محبت کے لوازم سے ہے کہ سب حقوق ادا کئے جائیں۔

حقیقی ذکر ان میں سے ایک ذکر بھی ہے۔ پھر ذکر میں درود شریف بھی ہے قرآن شریف کی تلاوت بھی ہے۔ جس میں جا بجا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نہایت جامع تذکرہ ہے۔ اگر قرآن شریف ختم کر لیا تو گویا پورا ذکر کر لیا۔ چنانچہ آپ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ——— الخ

اسی طرح بہت آیتیں ہیں۔ ان سب آیات میں ذکر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ذکر بھی بادشاہوں کا سا۔ اگر کسی بادشاہ کی سوانح عمری لکھو تو کیا بس اتنا لکھو گے کہ فلاں تاریخ پیدا ہوا اور فلاں تاریخ تخت نشین ہوا۔ اصل سوانح عمری تو یہ ہے کہ اس نے اتنے ملک فتح کئے۔ یہ یہ احکام جاری کئے۔ اس اس طرح مخالفین کی سرکوبی کی۔ ایسی ایسی شجاعت ظاہر کی۔ یہ ہے اصل سوانح عمری۔ پس اس قاعدہ سے آپ کی اصل سوانح عمری وہ ہی چیزیں ہیں قرآن و حدیث۔ قرآن شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شان ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کے اخلاق کا ذکر ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور آپ کی

شان میں فرماتے ہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔

اسی طرح حدیث میں آپ کا کھانا پینا، سونا جاگنا اور دوسرے حالات مذکور ہیں۔ اے اللہ! اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں اس کی وجہ بتلاتا ہوں۔

ایک مریض سے پوچھا تھا کہ تجھ کو قرآن شریف میں کون سا حکم سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا کلوا واشربوا کہ کھاؤ اور پیو۔ پوچھا دعا کونسی پسند ہے کہا رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ۔ جس طرح اس شخص کو یہ پسند آیا اور یہ کیوں نہ پسند آتا کیونکہ اور باتوں میں تو نفس کے خلاف کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اور اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اسی طرح ان لوگوں کو سارے ذکروں میں یہ پسند آیا کہ آپ کا نور پیدا ہوا۔ پھر وہ آپ کی والدہ میں آیا۔ پھر فلاں تاریخ ولادت شریف ہوئی بس۔ اور یہ ذکر پسند نہیں آیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جاگ جاگ کر طاعت کی ہے۔ ایک ہی آیت کی تلاوت میں رات گذر گئی۔ پاؤں مبارک ورم کر گئے اور یہ ذکر پسند نہیں آیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نارضی خاطر کی ہے معصیت سے ڈرایا ہے۔ حرام خوری سے۔ اس کو نہیں منع کیا جاتا۔ وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اس میں نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے سو اگر محض رسم ہی کی پابندی ہے تو اس کا علاج نہیں اور اگر عقل سے

بھی کام لیا جاتا کوئی چیز ہے تو کیا یہ شان ہوتی ہے محبین کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تذکروں کو اڑا ہی دیں۔

اسی طرح محبت کے لوازم میں سے ہے آپ کی شان میں گستاخی نہ کرنا اور آپ کی تعظیم کی جائے نیز متابعت کرنا۔ میرے ایک حاجی دوست نے جو کہ ذکر مبارک کے عاشق تھے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم ان کی سفارش نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریفیں کرے۔ ہم تو ان کی سفارش کریں گے جو ہمارا کہنا مانے۔ یہ تو ان کا ذکر تھا جنہوں نے بزعم خود آپ کے حقوق میں سے صرف محبت کا پہلو لیا۔

شرط ایمان

بعض وہ ہیں جنہوں نے عظمت کو لیا ہے۔ نہ تو محبت ہے نہ متابعت۔ اکثر یہ وہ لوگ ہیں جن پر تعلیم جدید کا مذاق غالب ہے۔ طرز ان کا یہ ہے کہ یہ لوگ علماء سے علتیں احکام کی پوچھتے ہیں۔ احکام میں خود علتیں نکالتے ہیں اور جو بات اپنی عقل نارسا و ناقص کے خلاف ہو اس کے ماننے میں ان کو تامل ہوتا ہے۔

کہیں کہتے ہیں کہ پل صراط پر چلنا عقل کے خلاف ہے (اس لئے کہ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے پھر کیسے کوئی چل سکتا ہے) کہیں کہتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں کا بولنا عقل کے خلاف ہے۔ ان امور میں سے ایک معراج بھی ہے کہ ان کے نزدیک خلافِ عقل ہے۔ کہتے

ہیں کہ تھوڑی دور جا کر ہوا نہیں ہے وہاں پہنچ کر جاندار کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ طرز بتلا رہا ہے کہ ان کو محبت نہیں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کیونکہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے احکام میں شبہ نہیں ہوا کرتا۔

فرض کیجئے کسی عورت سے محبت ہو جائے اور وہ کہے کہ اپنا کرتہ نکال کر سر بازار برہنہ نکل جاؤ تو میں تم سے خوش ہوں گی تو اگر وہ شخص محبت و عشق میں پکا ہے تو کبھی نہ پوچھے گا کہ اس میں حکمت کیا ہے۔ بلکہ یوں کہے گا کہ میرے محبوب نے اپنے راضی ہونے کی ایک صورت تو نکالی۔ مجھ کو اس فرمائش کی وجہ دریافت کرنے سے کیا غرض۔ میرا تو مطلب نکلتا ہے۔ ہرگز کسی مصلحت اور حکمت کے معلوم ہونے کا انتظار نہ کرے گا۔ محب کی تو بڑی مصلحت محبوب کا راضی کر دینا ہے۔

جب ایک عورت مردار کی محبت میں یہ حال ہے کہ اس کے احکام کی علت دریافت نہیں کی جاتی، تو یہ احکام تو دیکھو کیسی ذات مقدس کے ہیں ان کی علتیں کیوں دریافت کی جاتی ہیں۔ بس بات یہ ہے کہ جو لوگ احکام میں شبہات نکالتے ہیں ان کو محبت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اگر محبت نہیں ہے تو ان کا ایمان ہی کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصریحاً فرماتے ہیں۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ

وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک اتنی محبت نہ ہوگی تو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ ایمان باللہ وہ ہے جس میں محبت ہو شدت کے ساتھ۔ اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول متلازم ہیں۔ پس ایمان بالرسول کی شرط بھی یہی شدت محبت ہوگی اور علاوہ شہادت قرآن و حدیث کے ویسے بھی تو مشاہدہ ہے۔

تحقیقِ طاعت و عظمت

موٹی بات ہے کہ طاعت کا لطف بھی بلا محبت نہیں آتا۔ جو طاعت بلا محبت کے ہو وہ محض ضابطہ کی طاعت ہوتی ہے تحقیقی طاعت نہیں ہوتی۔ اس طاعت کی ایسی مثال ہوگی جیسے انجن میں بھاپ نہ ہو اور اس کو مزدور دھکیلتے ہوں جس کی رفتار کچھ بھی قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ جہاں دھکیلنا بند کیا بس رک گیا۔ اسی طرح بدون محبت کے جو طاعت ہوگی قابل اعتبار نہیں۔ طاعت جب ہی قابل اعتبار ہوگی کہ آگ لگی ہوئی ہو بھاپ بھری ہو محبت کی بلکہ قطع نظر عظمت کے آسان بھی طاعت جب ہی ہوتی ہے کہ جب محبت ہو۔

مثلاً ایک تو مزدور کا کہنا ماننا۔ اس کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ جہاں آقا ٹلا اور کام سے بیٹھ گئے اور ایک کسی محبوب کا محب کو کسی بات کی فرمائش کرنا اور اس کا کام پر لگ جانا۔ اس کی یہ حالت ہوتی

کہ اگر اس حالت میں کوئی اُن سے یہ بھی کہے کہ کھانا تو کھالو۔ تو وہ یہی کہے گا کہ میں جب تک کام کو پورا نہ کر لوں گا مجھ کو کسی بات میں چین نہ آئے گا۔

غرض مزدور کے کام میں اور محب کے کام میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ دوام طاعت جو کہ عادۃً سہولت پر موقوف ہے بلا محبت نہیں ہوتا۔ پس جب عقلاً بھی محبت طاعت مفروضہ کا موقوف علیہ ہے تو ضرور محبت بھی فرض ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جب محبت نہیں تو ظاہر ہے کہ متابعت بھی نہیں جو کہ محبت پر موقوف ہے اور ویسے بھی بدیہی ہے کہ جو لوگ احکام میں شبہات نکالتے ہیں وہ عمل کیا خاک کرینگے غرض محبت و متابعت سے تو یہ عاری ہیں، البتہ ان لوگوں کے قلب میں آپ کی عظمت ہے ضرور مگر عظمت بھی وہ نہیں جو مطلوب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جس حیثیت سے ہونی چاہئے وہ ان میں نہیں۔ یہ لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اصالۃً ایک شاندار اور عاقل بادشاہ سمجھتے ہیں اور ضمناً نبی بھی۔ بس زیادہ عظمت آپ کی اُن کے دلوں میں بادشاہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ نبی ہونے کی حیثیت سے آپ کی زیادہ عظمت اُن کے ذہن میں نہیں۔ اگر نبی ہونے کی حیثیت سے اصل عظمت ہوتی تو احکام میں علتیں نہ ڈھونڈھتے کیونکہ نبی موسس احکام نہیں مبلغ احکام ہیں۔

اسی طرح آپ کا نام بانی اسلام نہ رکھتے جیسا کہ یہ لوگ آپ کو بانی

اسلام کہا کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ لقب عیسائیوں سے لیا گیا ہے وہ لوگ اسلام کو خدا کا بنایا ہوا نہیں سمجھتے بلکہ بوجہ انکار نبوت کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو بنایا ہے۔ مسلمانو! اس لقب کو چھوڑ دو۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بانی اسلام خدا تعالیٰ ہیں آپ کی تو یہ شان ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

آپ نے تو اُدھر سے سُنا اِدھر کہہ دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز خود نہیں بنائی۔ آپ تو حکایت بیان فرما رہے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آپ صرف سفیر ہی نہیں بلکہ ہمارے آقا اور سردار بھی ہیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک پیام پہنچانا تو وہ ہے جیسے ڈاکیہ خط پہنچاتا ہے اور ایک وہ جیسے استاد مضامین شاگرد کو پہنچاتا ہے استاد صرف حکایت کرنے والا ہی نہیں بلکہ حاکم اور مربی بھی ہے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی شان ہے۔ بعض بے ادب لوگوں کو دھوکا ہوا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کی مثال محض سفیر جیسی ہے۔ سو یہ محض باطل ہے بلکہ ہم غلام ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اور آپ ہمارے آقا ہیں۔ البتہ مبلغ ہونے کے معنے یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے گھٹاتے بڑھاتے نہیں ہیں۔ اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ آپ اجتہاد نہیں فرماتے تھے

مگر وہ اجتہاد بھی مآلاً احکامِ وحی ہی میں داخل ہے کیونکہ جس اجتہاد کو قائم نہ رکھنا ہوتا تھا وہ وحی سے منسوخ کر دیا جاتا تھا۔ پس جو منسوخ نہ ہوا وہ بھی منصوص بن گیا۔ پس احکام اجتہادیہ میں بھی آپ کی یہی شان ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اور۔ اوپر جو کہا گیا ہے کہ آپ محض سفیر نہ تھے مربی بھی تھے۔ اس کا ایک کھلا قرینہ یہ ہے کہ آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی شخص امت میں سے خلاف کرتا تھا تو آپ افسوس کرتے تھے کہ کیوں بگڑ رہا ہے سو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اس طرح کام سپرد ہوتا جیسے سفیر کے ہوتا ہے تو آپ افسوس ہی کیوں کرتے۔ کیونکہ جب آپ نے سفارت پوری کر دی تو آپ بری ہو گئے۔ سفیر کا کام تو اتنا ہی ہے خواہ کوئی جنت میں جائے یا دوزخ میں، افسوس کے کیا معنی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ سفیر محض نہ تھے۔ غرض نہ تو سفیر محض تھے جیسا اہل تفریط سمجھتے ہیں اور نہ مخترع احکام تھے۔ ہمارے متبوع تھے مگر وحی کے بالکل تابع۔ جب یہ ہے تو آپ کے فرمودہ احکام خدا کے احکام ہیں۔ جب خدا کے احکام ہیں، عقل کو دوڑانا چہ معنے؟ کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم ہمارے علم کے جنس سے نہیں کہ ہم وہاں تک رسائی کی فکر کریں۔

سو جب ان لوگوں نے عقل دوڑائی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپ کی شانِ نبوت کو مغلوب اور شانِ سلطنت کو غالب سمجھتے ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب کبھی یہ لوگ آپ کے کارنامے بیان کرتے ہیں تو فتوحا

بادشاہت کے کارنامے بیان کرتے ہیں آپ کے فقر و فاقہ کو کبھی بیان نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اس میں ہیٹی ہوگی۔

حضورؐ کی شان

مگر خوب سمجھ لو کہ جن کی عظمت محدود ہے اُن میں تو ایسی باتوں سے کمی ہو سکتی ہے ورنہ ان حکایتوں سے کیا کمی ہوتی بلکہ اگر کسی کے پاس لشکر و حشم و خدم سب کچھ ہو اور اس صورت میں اس کو غلبہ و رعب حاصل ہو، تو وہ چنداں کمال نہیں۔ بڑی عظمت تو اس میں ہے کہ ایسی تو آپ کی حالت مگر پھر رعب کی کیا کچھ کیفیت۔ ان لوگوں نے اپنے مذاق کے موافق قیاس کیا ہے جیسے اُن کے یہاں نازک رہے تو چھپاتے ہیں مہمان کے لئے کہیں سے سالن منگاتے ہیں، تو مہمان سے چھپا کر۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

میرے یہاں کا قصہ ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ ہمارے یہاں سالن کم ہو گیا گھر کے لوگوں نے بھائی کے یہاں سے چھپا کر سالن منگا یا کہ مہمان کو پتہ نہ ہو کہ یہ دوسری جگہ سے آیا ہے۔ جب کھانے بیٹھے تو میں نے صاف کہہ دیا کہ یہ کھانا بھائی کے یہاں سے آیا ہے اور میں نے گھر میں کہا کہ ہم سے جو دوستوں کو محبت ہے تو اللہ کے واسطے ہے پھر اس میں اس کی کیا گنجائش۔ دوسرے ہماری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی۔

سو اپنی نسبت تو یہاں تک سمجھنا چاہئے کہ ہماری شان ہی کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ دوسرا ہے کہ آپ کی تو بڑی شان

ہے کہ وہ ایسی حکایات سے متعلق ہی نہیں۔ کوئی سمندر سے ایک قطرہ لے لے تو اس میں کیا کمی ہو گی۔ اگر چیونٹی نے ایک ریزہ مٹھائی کا حلوائی کی دکان سے توڑ لیا تو اس کی دکان میں کیا کمی ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ہی ارفع ہے۔ آپ کے اُمتیوں میں! جیسے ایسے گزرے ہیں کہ سلطنت کی بھی پروا نہیں کی۔

حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ کے پاس شاہ سنجر نے لکھا تھا کہ ملک نیمروز کا ایک حصہ آپ کی خانقاہ کے خرچ کے لیے نذر کرنا چاہتا ہوں قبول فرما لیجئے۔ آپ نے جواب میں یہ دو شعر لکھے ؎

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمے خرم

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ جب سلطنت ترک کر کے چلے گئے تو ارکانِ دولت میں کھلبلی ہو گئی۔ کسی طرح ان کو لانا چاہیے۔ وزیر گیا تو دیکھا کہ آپ گدڑی اوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ عرض کیا کہ حضور سلطنت درہم برہم ہو رہی ہے۔ حضور تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سلطنت تمہیں مبارک ہو۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی سلطنت عطا فرما دی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سوئی گدڑی سے نکال کر دریا میں پھینک دی اور وزیر سے کہا کہ میری سوئی دریا میں سے نکلوا دو۔ وزیر

نے بے شمار آدمیوں کو دریا میں داخل کر دیا۔ وہاں سوئی کا پتہ کہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ہماری سلطنت دیکھو۔ یہ کہہ کر مچھلیوں کو مخاطب کیا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ۔ بعد ازاں مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں کوئی سونے کی کوئی چاندی کی سوئی لے کر حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری وہی لوہے کی سوئی لاؤ۔ ایک مچھلی وہی لوہے کی سوئی لے کر نکلی۔ آپ نے وزیر کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ دیکھی میری سلطنت۔ تمہیں اپنی سلطنت پہ بڑا ناز ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

رو برسلطان و کاروبار بیں　　　حسن تجبری تحتہا الانہار بیں

عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

مبین حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

اور کہتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں زلزلہ آیا۔ آپ نے زمین پہ پاؤں مار کر فرمایا اسکنی یا ارض کہ اے زمین ٹھہر جا۔ بس زمین ٹھہر گئی ——— کیا حقیقت ہے سلطنت کی اس کے سامنے!

ایک دفعہ دریائے نیل خشک ہو گیا۔ ہمیشہ چڑھا کرتا تھا مگر اس سے اب یا تو ہوتی تھی اس دفعہ نہ چڑھا۔ عمرو بن العاص یا عبداللہ بن عمرو کو

العاص مصر کے عامل تھے۔ لوگوں نے آکر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے تو تم کیا کرتے ہو۔ لوگوں نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم ایک جوان حسین لڑکی بھینٹ دیتے ہیں اس سے وہ جاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کی رسم کبھی نہیں ہو گی اسلام میں اور میں خلیفہ کو لکھتا ہوں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے نیل کے نام ایک حکم نامہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے نیل! اگر تو خدا تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے تو کسی شیطان کے تصرف سے بند ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ نہیں ہے تو ہم کو تیری کچھ پروا نہیں خدا تعالیٰ ہمارا رازق ہے۔ آپ کے اس لکھنے پر مخالفین ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دریا پر بھی حکومت کرتے ہیں مگر "زمانہ نحبہ گوید دیدہ گوید"۔ آپؓ کو شبہ بھی نہ ہوا کہ ایسا نہ ہوا تو عزت کرکری ہو گی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اس رقعہ کو اعلان کے ساتھ لے کر چلے اور مخالفین کا گروہ بھی آپ کے پیچھے چلا۔ ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ اس رقعہ سے اور دریائے نیل کے جوش سے کیا نسبت۔ مگر وہ رقعہ دریا میں ڈالنا تھا کہ دریا کو جوش آیا اور لبریز ہو کر بہنے لگا۔

یہ باتیں تو کوڑھ مغزوں کو سمجھانے کے لئے ہیں۔ واقع میں تو ان کی سلطنت کچھ اور ہی ہے جس کو حضرت بایزید بسطامیؒ نے ذرا تیز الفاظ میں کہا ہے مگر جبر کوئی ایسا نہ کہے۔ انہوں نے کہا ہے مُلکی اعظم من ملک اللہ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی چیزیں ہیں وہ تو ملک

ہیں اللہ کی اور اللہ تعالیٰ ملک ہیں ہماری! اور ظاہر ہے کہ کہاں اللہ تعالیٰ کی علوشان اور کہاں دوسری چیزیں۔ اس لیے ہمارا بلبک اعظم ٹھہرا۔ اور یہ آپ نے مرتبۂ ناز میں کہا ہے۔ ہر شخص کا منہ اس کہنے کے لائق نہیں کیونکہ ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد
چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

حاصل یہ کہ اُن کی سلطنت کو کیا پوچھنا ہو اور جب اولیاء اللہ کی یہ کیفیت ہے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ دنیوی سلطنت کیا بلا ہے۔ سو آپ صرف بادشاہ ہی نہیں ہیں بادشاہ تو آپ کے غلام ہیں۔ آپ کو صرف بادشاہ قرار دینا تعظیم نہیں ہے۔ آپ کو نبی قرار دو بنا یہ ادب اور تعظیم ہے۔ آپ کی تعظیم میں ایک امر نہایت لازم اور فرض ہے۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا جاوے۔ آپ کو حق تعالیٰ کے برابر نہ کر دیا جاوے۔

واعظین کی گستاخیاں

آج کل تو واعظین ایسی حکایات تراشتے ہیں کہ جن کا مضمون بادنیٰ تغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی اور اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی ہے۔

چنانچہ ایک حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ملتے ہیں حکایات تراشنے کو ایک حکایت گھڑی ہے کہ ایک بڑھیا گئی حضرت غوث الاعظم کے پاس اور کہا کہ میرا بیٹا مر گیا اس کو زندہ کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تقدیر

نہیں ہو سکتا اُس کی عمر ختم ہو چکی تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر اُس کی عمر ختم نہ ہوتی تو آپ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ سے تو اسی واسطے کہا ہے کہ عمر ختم ہو گئی اور آپ کو زندہ کرنا پڑے گا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ وہاں سے بھی اسی دلیل سے حکم ہوا کہ زندہ نہیں ہو سکتا آپ نے بھی وہی جواب دیا۔ جب کسی طرح عرض منظور نہ ہوئی اور ادھر بڑھیا نے تنگ کیا تو آپ نے عزرائیلؑ سے تھیلا روحوں کا چھین کر اُسے کھول دیا۔ ساری روحیں پھر پھر اڑ گئیں اور تمام مُردے زندہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ دیکھا ایک کو نہ جلایا۔ اب اچھا ہوا۔ عزرائیلؑ نے خدا تعالیٰ کے یہاں نالش کی۔ وہاں سے حکم ہوا کہ ہم کو دوست کی خاطر منظور ہے۔ خیر جیسے وہ کہیں وہی سہی۔

الٰہی توبہ! کتنی بڑی گستاخی ہے حق تعالیٰ کی شان میں۔ کیا خدا تعالیٰ کی سلطنت اودھ کی سلطنت ہے کہ کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں جس کا جو جی چاہے کر گزرے۔

ایسی غیر آئین سلطنت پر ایک حکایت یاد آئی۔ کوئی شہر تھا۔ اَن نیاؤ پور۔ اَن نفی کا کلمہ ہے۔ نیاؤ کے معنی ہیں انصاف کے۔ پور شہر کو کہتے ہیں۔ اس کے معنے ہوئے بے انصافی کا شہر۔ ایک گرو اور ایک اس کا چیلہ اس شہر میں جا پہنچے اور چیزوں کا بھاؤ پوچھا۔ سب کا بھاؤ سولہ سیر۔ گیہوں بھی سولہ سیر، چنے بھی سولہ سیر، گھی بھی سولہ سیر، نمک بھی سولہ سیر گوشت بھی سولہ سیر۔ غرض سب کا ایک ہی بھاؤ۔ گرو نے یہ حال دیکھ

کہ چیلے سے کہا کہ یہاں سے چلو۔ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں۔ یہاں کھرے
کھوٹے ایک بھاؤ بکتے ہیں۔ چیلے نے کہا کہ ہم تو یہاں رہیں گے، خوب
گھی کھائیں گے طاقت آئے گی۔ ہر چند گرو نے سمجھایا مگر اس نے ایک
نہ مانی۔ خیر ایک عرصہ تک وہاں رہا کئے۔ افراط سے سب چیزیں ملیں۔
چیلہ کھا کھا کر خوب موٹا ہوا۔

ایک دفعہ اتفاق سے ایوان شاہی پر پہنچے۔ راجہ کے یہاں ایک
مقدمہ پیش تھا۔ وہ یہ کہ دو چور کسی مہاجن کے یہاں گئے تھے چوری کرنے
نقب دے کر ایک باہر پہرہ پر رہا ایک اندر گیا۔ اتفاق سے وہ دیوار گر
پڑی، دب کر مر گیا۔ اس کے ساتھی نے دعویٰ دائر کیا، مہاجن پر کہ اس
نے ایسی دیوار کمزور بنائی تھی کہ وہ گر پڑی۔ مہاجن کو حاضر کیا گیا۔ اس نے
عذر کیا کہ میرا قصور نہیں معمار نے ایسی دیوار بنائی تھی۔ معمار حاضر کیا گیا اس
سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا کہ مزدور نے گارا پتلا کر دیا تھا۔ اس نے اینٹ
کو اچھی طرح نہیں پکڑا۔ مزدور حاضر کیا گیا، اس نے کہا کہ سقہ نے پانی
زیادہ چھوڑ دیا تھا اس لئے گارا پتلا ہو گیا۔ سقہ حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا
کہ سرکاری ہاتھی میری طرف دوڑا آرہا تھا، مشک کا دہانہ میرے ہاتھ
سے چھوٹ گیا اس لئے پانی زیادہ پڑ گیا۔ فیل بان کو حاضر کیا گیا۔ اس نے
کہا کہ ایک عورت بجتا ہوا زیور پہنے آرہی تھی۔ پازیب کی جھنکار سے
ہاتھی چونک گیا۔ وہ عورت حاضر کی گئی۔ اس نے کہا کہ سنار نے پازیب
میں باجا ڈال دیا تھا۔ سنار کو حاضر کیا گیا اس کو کچھ جواب نہ آیا۔ آخر کہیں

تو سلسلہ ختم ہوتا۔ آخر یہ تجویز ہوا کہ اس سُنار کو پھانسی دے دی جائے۔ اُس کو پھانسی پر لے گئے اور گلے میں پھانسی ڈالی۔ اُس کی گردن ابھی پتلی تھی کہ حلقہ اُس کے گلے میں برابر نہ آیا۔ حلقہ تھا بڑا۔ جلادوں نے آ کر کہا کہ حلقہ اُس کے گلے میں نہیں آتا۔ اس پہ یہ تجویز ہوا کہ کسی موٹے سے کو پھانسی دے دو۔ تلاش ہوئی تو سوائے چیلہ صاحب کے اتنا موٹا کوئی اور نہ ملا۔ یہ پکڑے گئے۔ انہوں نے گرو جی سے کہا کہ اب کیا کروں۔ گرو جی نے کہا کہ بھائی میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں مگر تو نے نہ مانا۔ اب اپنے کیے کو بھگت۔ چیلہ نے کہا کہ حضور کسی طرح سے بچائیے۔ کچھ تو کیجیے۔ آخر آپ کا چیلا ہوں۔

گرو نے تدبیر نکالی کہ آپس میں جھگڑنا شروع کیا۔ گرو کہے کہ مجھے پھانسی دو اور چیلا کہے کہ مجھے دو۔ خوب جھگڑے یہاں تک کہ راجہ تک نوبت پہنچی۔ راجہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ گرو نے کہا کہ یہ ایسی ساعت ہے کہ جو کوئی ایسی ساعت میں پھانسی چڑھے تو سیدھا بیکنٹھ کو جائے اس لیے ہم جھگڑتے ہیں کہ پھر ایسی ساعت نہ ملے گی۔ راجہ نے کہا کہ پھر اس سے اچھا موقع کہاں نصیب ہوگا ہمیں پھانسی دے دو چنانچہ اُس منحوس کو پھانسی دے دی گئی۔ ایسے راجہ کو پھانسی دینا ہی اچھا۔ پاپ کٹا خس کم جہاں پاک۔

یہ قصہ تھا انیاؤ پور کا۔ سو بہت سے لوگ مسلمان ہو کر ایسی ہی سلطنت سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی جیسی انیاؤ پور کی حکومت کہ کوئی قاعدہ

اور قانون ہی نہیں اندھا دھند معاملہ ہے جس کے کچھ اصول ہی نہیں۔ صاحبو
کتنا بڑا ظلم و ستم ہے کہ اولیاء کو یا انبیاء کو خدا کی برابر بلکہ معاذ اللہ ایسی خرافات
حکایات گھڑ کے، خدا سے بڑھ کر قرار دیا جاوے۔ اس لئے کہتا ہوں کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مت بڑھاؤ کہ خدا میں ملا دو۔ کہ اس سے تو
حضور بھی ناخوش ہوں گے۔

اب بعض وہ لوگ رہ گئے کہ کسی قدر متابعت تو کرتے ہیں مگر نہ ان
کے دل میں عظمت ہے اور نہ محبت اور یہ لوگ زیادہ ان میں ہیں جو آج
کل کسی امام کا اتباع نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ ترجمے موجود ہیں ضرورت کیا
ہے اکابر کے اتباع کی۔ ہم خود دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ اگر عربی نہیں سمجھتے
تو ترجمہ ہی سے احکام نکال لیتے ہیں۔ سو ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ
نہ بزرگوں کا ادب کرتے ہیں نہ صحابہؓ کا نہ ائمہ کا اور بلکہ خود حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی شان میں خشک الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ بس ظاہراً اطاعت
تو کرتے ہیں اور بدعات سے بھی بچتے ہیں مگر نہ عظمت جیسا بیان ہوا اور
نہ وہ سوز و گداز جو محبت میں ہوتا ہے۔ غرض اس وقت یہ تین جماعتیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو محبت رکھتے ہیں مگر اتباع و عظمت نہیں۔

۲۔ ایک وہ جو عظمت کرتے ہیں لیکن محبت و اتباع نہیں۔

۳۔ ایک وہ جو اتباع کرتے ہیں مگر عظمت و محبت نہیں۔

سو یہ تینوں جماعتیں پورے حقوق ادا نہیں کرتیں۔ کسی نے ایک کو لیا
دو کو چھوڑا۔ کسی نے دو کو لیا تیسرے کو چھوڑا علی ہذا۔ جامع وہ شخص ہے جو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں، متابعت میں، عظمت میں سر انگندہ رہتا ہو۔

ترجمہ و تفسیر آیت بس اس آیت میں یہی مضمون ہے۔ آیت کا ترجمہ پہلے کرنا چاہیئے تھا لیکن تمہید میں مضمون طویل ہو گیا۔ اب ترجمہ کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا ـــــــ الخ

اس کی توجیہ میں اختلاف ہے۔ ایک توجیہ تو یہ ہے کہ ذکر کی تفسیر قرآن مجید سے کی جائے اور ذکراً کا بدل الاشتمال ہے رسولاً۔ اور ایک توجیہ یہ ہے کہ ذکراً کے معنے ہیں شرفاً کے اور رسولاً اس سے بدل الکل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک شرف نازل کیا۔ سو شرف کا لفظ عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ وہ کون ہیں رسولؐ ہیں۔ انزل بھی آپ کے شرف پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ انزال اوپر سے نیچے آنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تھی تو اونچی رکھنے کی چیز بوجہ شرف کے مگر تمہاری خاطر سے نیچے بھیج دیا ہے۔ اس صورت میں آپ کا شرف در شرف ظاہر ہو گیا۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ دوسرے موقع پر قرآن شریف میں ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ کہ ہم نے لوہے کو نازل کیا حالانکہ وہاں اوپر سے نیچے آنا نہیں پایا جاتا کیونکہ لوہا آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا وہ تو زمین میں سے نکلتا ہے اس لیے انزال کے معنی اوپر سے نیچے آنے کے کہاں ہوئے۔

جواب یہ ہے کہ وہاں مجاز ہے۔ لہٰذا حقیقت کے سبب ہے اور "قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا" میں تعذر نہیں۔ اس لئے حقیقت مراد ہے۔ دوسرے کسی نے اس کی بھی توجیہ کی ہے کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ کئی چیزیں آئی تھیں، بعض تو ایسی تھیں اور وہ اوپر ہی سے آئی تھیں۔ تیسری توجیہ یہ کہ حدیث کا مطلب ہے زمین سے اور سبب اس کا بخارات ہیں جو پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی اوپر سے آتا ہے اور زمین میں نفوذ کرتا ہے سو اس طرح وہاں بھی معنی حقیقی ہی ہیں۔ غرض حقیقی معنی انزال کے اوپر سے آنے کے ہیں اور انزال کا کلمہ بارش کے لئے بھی آیا ہے۔ سو آپ کے لئے اس کا استعمال ہونا یہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپ کی شان بارش کی سی ہے کہ وہ بھی رحمت ہے اور آپ بھی رحمت۔ چنانچہ حدیث میں ہے "اِنَّمَا اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ" یعنی میں خدا کی رحمت ہوں جو بندوں کے لئے خدا کے پاس سے تحفہ کر کے آیا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت بارش کی سی ہے چنانچہ بارش سے حیات ہوتی ہے ارض کی اور آپ سے حیات ہوتی ہے قلب کی۔

ایک شعر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے ایسے موقع پر پڑھا تھا کہ کسی نے آپ سے مسئلہ مولد کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا لو ہم مولد پڑھتے ہیں اور یہ شعر پڑھا ؎

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمین | یعنے آئے رحمۃ للعالمین

اس شعر سے میرے اس مضمون کو اور قوت ہو گئی۔ غرض ذکر اللہ میں
آپ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اللہ میں متابعت کی طرف کیونکہ
مدار اتباع بعثت کا رسالت ہے اور آمنوا میں محبت کی طرف کیونکہ ایک
آیت میں ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔

اور حب اللہ اور حب الرسول میں تلازم ہے۔ تو جس طرح ایمان
کے لئے اللہ کی شدت محبت لازم ہے اسی طرح رسول کی شدت
محبت آتی ہے۔ مبینات یعنی خود ظاہر بھی اور ظاہر کرنے والی
بھی۔ آگے ارشاد ہے لیخرج الذین ـــ الخ۔ یعنی جو میں لام غایت
کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیوں بھیجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اس لئے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات حاصل کریں۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف
ہوگا۔ وہ تو خود ہی خارج من الظلمات الی النور ہو گا۔ پھر ان کے خارج ہونے
کے کیا معنے؟

سو مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ظلمت سے نور کی طرف خارج ہوتے
ہیں وہ ایمان اور اعمال صالحہ کئے ہوئے ہیں یعنی یہ برکت ایمان اور
اعمال صالحہ ہی کی ہے کہ وہ تاریکی سے نور کی طرف لے آتے ہیں۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے پورے حقوق ادا کرنے
چاہئیں یعنی ذکر بھی کریں محبت بھی کریں اور اتباع بھی

ادب و تعظیم بھی۔ آگے آیت میں خاصیت ایمان اور اعمال صالحہ کی بیان فرماتے ہیں۔ ومن یؤمن باللہ ۔۔۔ الخ مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے کیا ملے گا۔ بشارت دیتے ہیں کہ یہ ملے گا

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا

یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کا یہ ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ ایسی جنات میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور خالدین فیہا ابداً کہ وہ نعمتیں بلا حساب اور بلا انقطاع ہوں گی۔ یہی دو صورتیں کمال نعمت کی ہوتی ہیں کہ نعمتیں اور عمدہ بھی ہوں اور بلا انقطاع بھی ہو کہ مزیت کمال ہے سو یہ جنت میں حاصل ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے ذریعہ حقوق ادا کر کے جنت کی نعمتیں حاصل کریں اور اگر حقوق ادا نہ کئے برائے نام حقوق کی تعریف کر لی یا محض استغفار کر لیا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ مثلاً طبیب کی تعریف سے کیا فائدہ ہو جب تک اس سے نسخہ لکھا کر اس کا استعمال نہ کیا جاوے اور اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جاوے اور یہ حقوق آپ کے دائمی ہیں۔ تو آپ ایسی بارش کے مشابہ نہیں جو کسی خاص موسم میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بارش ہیں کہ جن سے ہمیشہ بہار ہی بہار رہے کبھی خزاں ہی نہ آوے۔ یہ نہیں کہ ربیع الاول ہی میں بہار ہو اور مہینوں میں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار جو حیات میں تھی وہ

اب بھی بحالہ ہے۔

اب میں اس مضمون کے مناسب اس شعر پر اپنے وعظ کو ختم کرتا ہوں ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت دُرفشاں ست
خم و خم خانہ با مہر و نشان ست

محروم ہے وہ شخص جو ایسے نبیؐ کی برکات حاصل نہ کرے۔ دُعا کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب ہو، متابعت کی توفیق ہو، اور آپ کی عظمت ہو قلب میں۔ اور اس وعظ کا نام بمناسبت بکلمات قرآنیہ کے ذکر الرسولؐ مناسب ہے اور لقب اس کا بمناسبت آپ کے معنوی برکات کے جو مشابہ ہیں باران و بہار کے المریع فی الربیع مناسب ہے (پھر دُعا کر کے جلسہ ختم کیا)

مجلس اب تک درج ذیل مواعظ طبع کرا چکی ہے۔

1۔ راحت القلوب: 5/00

2۔ طریق القلندر: 5/00

3۔ ندائے رمضان: 2/00

4۔ ذکر الرسول: 5/00

5۔ قربانی کی اہمیت، 2/00

یہ مواعظ تبلیغی نقطہ نظر سے شائع کئے جاتے ہیں۔ قیمت تقریباً لاگت کے برابر ہوتی ہے۔ آپ خود پڑھ کر اور دوسروں تک پہنچا کر اس تبلیغ میں حصہ لیں۔

مجلسِ صیانۃ المسلمین

میں شرکت کیلئے آپ حضرات فوری طور حسب ذیل پروگرام شروع فرمادیں

۱۔ نماز باجماعت کا التزام کریں اور اپنے حلقہ اثر میں نہایت دل سوزی و حکمت سے اسکی دعوت جاری رکھیں۔

۲۔ مجلس کے ماتحت جہاں جہاں بیانات اور درسوں کا انتظام ہو اُس میں شرکت کریں۔ اور شرکت کی بھرپور دعوت دیا کریں۔

۳۔ کسی متبع سُنّت عالم کے مشورہ سے روزانہ کچھ دیر ذکر اللہ کا کا اہتمام ضرور رکھیں۔

۴۔ بہشتی زیور، اصلاحی نصاب، تسہیل المواعظ، اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی آسان کتب کا روزانہ مختصر درس اپنے گھروں میں جاری کریں۔ اور اپنے حلقہ احباب میں گھر گھر جاری کرانے کی سعی کریں۔

وما توفیقنا الا باللہ،

یہ وعظ جامعہ اسلامیہ امدادیہ گلشن امداد ستیانہ روڈ۔ فیصل آباد سے بھی طلب کیا جاسکتا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز

مواعظ کے چند فوائد وبرکات

مواعظ اشرفیہ میں قرآنی آیات اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب نکات و اسرار بیان کیے گئے ہیں

مواعظِ اشرفیہ ___ کے مطالعہ سے اتباعِ سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا داعیہ قوت پکڑتا ہے

مواعظِ اشرفیہ ___ علم و معرفت کا عجیب خزانہ ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ کے مطالعہ سے دین کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

مواعظِ اشرفیہ ___ سے ایمان میں پختگی، اعمال میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔

مواعظِ اشرفیہ ___ کے مطالعہ سے سکونِ دل حاصل ہوتا ہے۔

مواعظِ اشرفیہ ___ حرارتِ عشقِ الٰہی پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ الحاد و نیچریت اور دہریت کے لیے سدِ سکندری ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ بددینی کے جراثیم سے تحفظ کا بہترین سامان ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ صحیح زندگی گزارنے کے راہنما اصول بتاتے ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ سے طبیعت میں سلامتی اور اعتدال پیدا ہوتا ہے۔

مواعظِ اشرفیہ ___ میں شبہاتِ جدیدہ کے شفا بخش جوابات موجود ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ بے غبار صحیح اسلامی تصوف پیش کرتے ہیں۔

مواعظِ اشرفیہ ___ دلچسپ و پر عبرت امثال و حکایات کا بے نظیر گنجینہ ہے۔

مواعظِ اشرفیہ ___ کا مطالعہ آپ کی تبلیغ و خطابت میں صحیح انداز اور قوت پیدا کرتا ہے۔

مجلس صیانۃ المسلمین فیصل آباد نے مواعظِ اشرفیہ عمدہ و دلکش طباعت کے ساتھ شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے
ذیل کے پتہ پر رابطہ فرمائیں

مَجلس صیانۃ المُسلمین ۶۱۵۔ اے پیپلز کالونی ۲ فیصل آباد
فون ۶۱۵...